ائمہ اربعہ کی تقلید
قرآن وحدیث کی اتباع ہی ہے

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

اصولیین کے مطابق تقلید سے مراد کسی معاملے میں دوسرے کے قول یا رائے کا اس کی دلیل جانے بغیر اخذ و قبول ہے۔ تقلید کا محمود یا مذموم ہونا متعدد عوامل پر منحصر ہوتا ہے‘ جن کی کثرت اور تنوع سے اجتہادی آراء و اختلاف کا دروازہ کھلتا ہے۔ مذہبی عقائد اور معاملات میں تقلید کا معتدل اور مفید رجحان دقیق نوعیت کے علمی مسائل کے درست تجزیے پر منحصر ہے۔ ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی کا اس اہم موضوع پر زیر نظر مضمون سعودی عرب میں شائع ہونے والے کثیر الاشاعت اردو اخبار ’’اردو نیوز‘‘ کی زینت بن چکا ہے اور اب حکمت قرآن کے قارئین کی نذر ہے۔ ادارے کا اس کے تمام مشمولات سے اتفاق ضروری نہیں۔ اس کے مندرجات سے اتفاق‘ اختلاف اور تعمیری تنقید اہلِ علم کا حق ہے۔ حکمتِ قرآن کے صفحات اس مقصد کے لیے حاضر ہیں۔ (ادارہ)

عصرِ حاضر میں بعض حضرات اجماعِ اُمت کے برخلاف تقلید کے موضوع پر عام لوگوں میں جو شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں‘ اس سے امتِ مسلمہ کے درمیان اختلافات میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہمیں فروعی مسائل کے اختلافات میں اپنی صلاحیتیں نہ لگا کر امتِ مسلمہ کی اصلاح اور آپس میں اتحاد واتفاق کرنے میں لگانے والا بنائے‘ کیونکہ اس وقت اسلام مخالف طاقتیں چاروں طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہیں۔ ہمیں متحد ہو کر دنیاوی مادی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک احکام ومسائل میں اختلاف کا تعلق ہے تو ابتداءِ اسلام سے ہی اس نوعیت کا اختلاف موجود ہے۔ غزوۂ احزاب سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت کو فوراً بنوقریظہ روانہ فرمایا اور کہا کہ عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھو۔ راستے میں جب نمازِ عصر کا وقت ختم ہونے لگا تو صحابہ کرامؓ میں عصر کی نماز پڑھنے کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ ایک جماعت نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق ہمیں بنوقریظہ ہی میں جا کر نمازِ عصر پڑھنی چاہیے خواہ عصر کی نماز قضا ہو جائے‘ جبکہ دوسری جماعت نے کہا کہ آپ ﷺ کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ ہم عصر کی نماز کے وقت میں ہی بنوقریظہ پہنچ جائیں گے‘ لیکن اب چونکہ عصر کے وقت میں بنوقریظہ کی

بستی میں پہنچ کر نمازِ عصر پڑھنا ممکن نہیں ہے' لہٰذا ہمیں عصر کی نماز ابھی پڑھ لینی چاہیے۔ اس طرح صحابہ کرام دو جماعت میں منقسم ہو گئے' کچھ حضرات نے نماز عصر وہیں پڑھی' جبکہ دوسری جماعت نے بنوقریظہ کی بستی میں جا کر قضا پڑھی۔ جب صبح نبی اکرم ﷺ بنوقریظہ پہنچے اور اس واقعہ سے متعلق تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپ ﷺ نے کسی جماعت پر بھی کوئی تنقید نہیں کی اور نہ ہی اس اہم موقع پر آپ ﷺ نے کوئی ہدایت جاری کی۔ (بخاری ومسلم) جس سے معلوم ہوا کہ اختلاف تو کل قیامت تک جاری رہے گا اور اس نوعیت کا اختلاف مذموم نہیں ہے۔ غرضیکہ اسلام میں اختلاف کی گنجائش تو ہے مگر بغض وعناد اور لڑائی جھگڑا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (الانفال: ٤٦) ''آپس میں جھگڑا نہ کرو' ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی''۔ آج دنیاوی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کرنے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کر رہی ہیں' جس سے ہر ذی شعور واقف ہے۔ لہٰذا ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اختلاف کو صرف اظہارِ حق یا تلاشِ حق تک محدود رکھیں۔ اپنا موقف ضرور پیش کریں' لیکن دوسرے کی رائے کی صرف اس بنیاد پر مخالفت نہ کریں کہ اس کا تعلق دوسرے مکتب فکر سے ہے۔ ہمیں امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیرنے کے بجائے اس میں پیوند کاری کرنی چاہیے۔

اہلِ سُنّت کا ۹۵ فیصد سے زیادہ طبقہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے چاروں ائمہ (امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کی تقلید کے مسئلہ پر متفق چلا آ رہا ہے اور چاروں ائمہ کی تقلید قرآن وحدیث کی اتباع ہی ہے۔ جس طرح آج ہم ۱۴۰۰ سال گزرنے کے بعد بھی قرآن وحدیث کو ہی شریعت اسلامیہ کے دو اہم ماخذ مانتے ہیں' اسی طرح ان ائمہ نے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی احکام ومسائل بیان فرمائے ہیں۔ قرآن وحدیث کے پیغام کو ہی دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے میں ان ائمہ نے اپنی جان ومال ووقت کی عظیم قربانیاں دیں۔ وہ احکام ومسائل جن کے عمل کرنے میں کوئی فرق بھی نہیں ہے' یعنی ۱۴۰۰ سال پہلے اور آج بھی عمل کا ایک ہی طریقہ ہے اور دلائل شرعیہ بھی وہی ہیں' نیز کوئی نیا مسئلہ بھی نہیں ہے کہ عصر حاضر کے فقہاء وعلماء کو اس پر اجتہاد واستنباط کرنا پڑے' مثلاً نماز کی ادائیگی کا طریقہ' اس طرح کے مسائل میں مزید اجتہاد اور بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تابعین وتبع تابعین ائمہ نے جو بات صحیح سمجھی ہے اسی پر قناعت کر لی جائے' کیونکہ ان حضرات نے صحابہ اور تابعین کی صحبت میں رہ کر قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ اگر کوئی شخص قرآن وحدیث کی روشنی پر مبنی ان کی رائے پر عمل نہیں کرنا چاہتا تو عصر حاضر کے کسی عالمِ دین کی رائے پر عمل کر کے ان کی تقلید کر لے —— لیکن چاروں ائمہ' خاص طور پر ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے مشہور فقیہ وتابعی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی قرآن وحدیث پر مبنی رائے کو قرآن وحدیث کے خلاف اور اکیسویں صدی میں پیدا ہوئے عالمِ دین کی رائے کو قرآن وحدیث کے عین مطابق قرار دینا اُمت مسلمہ کے درمیان ایک فتنہ برپا کرنا نہیں تو پھر کیا ہے؟ ان دنوں بعض حضرات امام ابوحنیفہؒ اور علماءِ احناف کی قرآن وحدیث پر مبنی رائے

کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور علماءِ احناف یہ کہہ رہے ہیں جبکہ قرآن وحدیث کا فیصلہ یہ ہے! —— حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اور علماءِ احناف کے دلائل تورات یا زبور یا انجیل یا رامائن یا گیتا سے نہیں لیے گئے ہیں بلکہ انہوں نے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی احکام ومسائل بیان فرمائے ہیں اور وہ اپنے زمانے میں علم وعمل کے درخشاں ستارہ تھے۔ مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ اور علماءِ احناف نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کہا ہے کہ استعمالی زیورات پر بھی نصاب پہنچنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ قول قرآن وحدیث کے دلائل سے مدلّل ہونے کے ساتھ ساتھ احتیاط پر بھی مبنی ہے' مگر بعض حضرات اپنے علماء کی تقلید میں اس قول کو بھی قرآن وحدیث کے خلاف کہنے میں اللہ سے نہیں ڈرتے' حالانکہ سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ بن بازؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ استعمالی زیور پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ حضرات شیخ بن بازؒ کی رائے کو صرف یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ ان کی رائے ہے' لیکن اسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور علماء احناف کی رائے کو قرآن وحدیث کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ بات صرف اسی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ حضرات ان ائمہ کی شان میں عموماً اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں خصوصاً توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں' یہاں تک کہ ان میں سے بعض متشدّدین اتنا تک کہہ جاتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ علومِ قرآن وسنت سے کم واقف تھے۔

تقلید کی تعریف

اگر کسی شخص نے فقیہہ عالم دین سے کوئی مسئلہ دریافت کیا' فقیہہ عالمِ دین نے قرآن وحدیث کے دلائل ذکر کیے بغیر قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب دے دیا اور اس شخص نے عالم دین کی بات پر عمل کر لیا' جیسا کہ ۹۹ فیصد اُمت مسلمہ کا طبقہ عرصہ دراز سے کرتا چلا آ رہا ہے تو اسی کا نام تقلید ہے۔ یعنی سوال کرنے والے کو پورا یقین ہے کہ فقیہ عالم دین نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی مسئلہ کا جواب دیا ہے اور واقعۃً بھی یہی ہے کہ اس عالم دین نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی جواب دیا ہے' مگر سوال کے جواب کے وقت اس نے کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا' اگر بعد میں سوال کرنے والے کو مجتہد کی دلیل کا علم ہو جائے یا اپنے ذاتی مطالعہ سے اس مسئلہ کے متعلق قرآن وحدیث کے متعدد دلائل دریافت ہو گئے تو یہ امر تقلید کے منافی نہیں ہے۔

تقلید مطلق جس کی تعریف اوپر بیان کی جا چکی ہے' اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تقلید شخصی: ایک خاص مجتہد کی طرف جو مذہب اور مسلک منسوب ہو اس کے جملہ مسائل مفتیٰ بہا کو دلیل طلب کیے بغیر قبول کر لینا اور اس کو اپنے عمل کے لیے کافی سمجھنا۔ یہ مسائل مفتیٰ بہا اس امام مجتہد کے بھی ہو سکتے ہیں' اس کے شاگردوں کے بھی اور ان علماء کے بھی ہو سکتے ہیں جو اس امام مجتہد کے مقلد ہوں۔ بہرحال ان سب کا مجموعہ ایک مذہب معیّن کہلاتا ہے' مثلاً فقہ حنفی وفقہ مالکی وغیرہ۔

(۲) تقلید غیر شخصی: مختلف مذاہب کے متعدد مجتہدین کے مسائل کو ان کی دلیل طلب کیے بغیر اپنا معمول بہا ٹھہرانا' یعنی کوئی مسئلہ کسی مجتہد کے مذہب کا لے کر عمل کر لینا اور ایک معین مجتہد کے مذہب کے تمام مسائل مفتیٰ بہا

کا پابند نہ ہونا۔

غرضیکہ تقلید کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہِ راست قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے' جیسا کہ ۹۹ فیصد سے زیادہ امت مسلمہ کا حال ہے۔ وہ جسے قرآن وحدیث کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کے فہم وبصیرت اور علم پر اعتماد کر کے اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے' اور یہ وہ چیز ہے جس کا جواز بلکہ وجوب قرآن وسنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔ یہاں صرف دو آیاتِ قرآنیہ اور ایک حدیث نبوی سے اس کا ثبوت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تقلید کے ثبوت میں دو آیاتِ قرآنیہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾ (النساء:۵۹)

''اے ایمان والو! تم کہنا مانو اللہ کا اور کہنا مانو پیغمبر اور اولوالامر (دین کے مجتہدین) کا جو تم میں سے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''اولی الامر'' کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم فرمایا ہے۔ ''اولی الامر'' کون لوگ ہیں' اس کی تفسیر بعض مفسرین نے سلطان اور بادشاہ سے کی ہے اور بعض مفسرین نے امام مجتہد سے فرمائی ہے' لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہے' یہ سب ''اولی الامر'' میں داخل ہیں۔ ''امر'' دو طرح کے ہوتے ہیں: دنیاوی اور دینی۔ ملک کی سیاست کے اعتبار سے سلاطین اور بادشاہ اولی الامر ہیں' یعنی ملکی وحکومتی انتظامات میں سلطان کا حکم بجالانا ضروری ہے' ورنہ دنیاوی معاملات میں سخت قسم کا انتشار پیدا ہوگا۔ علم شریعت کے اولی الامر ائمہ مجتہدین ہیں جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے واقف اور استنباطِ مسائل پر قادر ہوتے ہیں' لہٰذا شرع کے اولی الامر ائمہ مجتہدین ہوئے اور شرعی امور میں ان کی تابعداری لازم ہوئی۔ اولی الامر کی اس وضاحت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ آیتِ کریمہ سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ مسلمان جو خود مجتہد نہیں ہیں ان کو کسی مجتہد کا حکم بجا لانا واجب اور ضروری ہے۔ چونکہ ائمہ اربعہ بہت بڑے مجتہد ہیں' اگر ان کا اتباع کیا جائے تو یہ بات اس آیت کریمہ سے بخوبی ثابت ہے۔ غرضیکہ اول درجہ میں اللہ کی اطاعت کا حکم فرمایا گیا ہے اور دوسرے درجہ میں حضور اکرم ﷺ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تیسرے درجہ میں مجتہدین کے فرمان پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحابیٔ رسول ومفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''اولی الامر'' سے مراد اصحابِ فقہ واصحابِ دین ہیں۔ (مستدرک حاکم' کتاب العلم' باب فی توقیر العالم)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۴۳﴾ (النحل)

''تم لوگ اہلِ ذکر سے پوچھ لو' اگر تم خود نہیں جانتے۔''

یہاں ذکر سے مراد علم ہے۔ (تفسیرِ ابن کثیر) یعنی جو لوگ خود احکامِ شرعیہ سے واقف نہ ہوں وہ اہلِ علم سے

دریافت کر کے ان پر عمل کریں۔ حافظ ابن عبد البرؒ (متوفی ۴۶۳ھ) تحریر کرتے ہیں:

''علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عوام کے لیے اپنے علماء کی تقلید واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ سے یہی لوگ مراد ہیں۔ اور سب کا اتفاق ہے کہ اندھے پر جب قبلہ مشتبہ ہو جائے تو جس شخص کی تمیز پر اسے بھروسہ ہے' قبلہ کے سلسلہ میں اس کی بات ماننی لازم ہے' اسی طرح وہ لوگ جو علم اور دینی بصیرت سے عاری ہیں ان کے لیے اپنے عالم کی تقلید واجب ہے۔'' (جامع بیان العلم وفضلہ' ج ۲' ص ۹۸۹)

غرضیکہ دونوں آیات میں وضاحت موجود ہے کہ احکام ومسائل سے ناواقف حضرات علماء وفقہاء سے معلوم کر کے عمل کریں۔ اور یہ بات انسانی عقل اور فطرت کے عین مطابق بھی ہے کہ جب ہم اپنے تمام دنیاوی معاملات میں تقلید کرتے ہیں' مثلاً علاج کے لیے ڈاکٹروں پر' مکان کے لیے انجینئروں پر اور قانونی مشورہ کے لیے وکیلوں پر بھروسہ کرتے ہیں' سائنس دانوں کی تحقیق پر پورا اعتماد کیا جاتا ہے' نیز تاریخ میں مؤرخین ومحققین کی آراء اور حدیث کے راوی کو ثقہ یا کمزور قرار دینے کے لیے ماہرین اسماء الرجال اور محدثین کی آراء پر مکمل بھروسہ کیا جاتا ہے' آیات قرآنیہ کو ناسخ ومنسوخ قرار دینے میں مفسرین کی آراء' تجوید کے قواعد میں قراء کی آراء اور سیرتِ نبوی میں اہلِ سیر کی آراء کو قبول کیا جاتا ہے' اسی طرح احکامِ شرعیہ میں بھی ضروری ہے کہ انسان اپنے سے زیادہ صاحبِ علم ومجتہد کی رائے پر عمل کرے۔ اسی کا نام تقلید ہے۔

تقلید کے ثبوت میں حدیثِ نبوی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ میں تم لوگوں میں کب تک زندہ رہوں گا' سو تم لوگ ان دونوں شخصوں کی اقتدا کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ (سنن الترمذی' ابواب المناقب' باب مناقب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

ظاہر ہے کہ ''مِنْ بَعْدِیْ'' سے ان دونوں حضرات کا زمانۂ خلافت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کرنا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک وقت میں خلیفہ ایک ہی صاحب ہوں گے' لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی پیروی کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت عمرؓ کی تابعداری کرنا۔ پس ایک زمانہ خاص تک ایک معین شخص کے اتباع کا حکم فرمایا' اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سے احکام اور مسائل کی دلیل بھی دریافت کر لیا کرنا' اور اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں' جس کا ثبوت اس قولی حدیث سے بخوبی ہو گیا۔ نیز اس حدیث میں ''اقتدا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو انتظامی امور میں استعمال نہیں ہوتا' اس کا مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بھیجا' اور مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہوتی کہ وہ ان کی تعلیمات پر عمل کریں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیجا گیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن بھیجے گئے' عہد فاروقی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا گیا۔ ظاہر ہے کہ وہاں کے لوگ انہی کے فتوے پر عمل کرتے تھے' یہی تقلید ہے۔

مقصدِ تقلید اور اس کی حقیقت

دینِ اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے احکامِ الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام‘ اس لیے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے‘ لہٰذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صرف قرآن وسنت کی تابعداری کرے۔ جو شخص رسول کے بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو‘ اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو‘ وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے احکام کی اطاعت کرے۔ لیکن قرآن وسنت میں بعض احکام تو وہ ہیں جنہیں ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے‘ ان میں کوئی اجمال یا ابہام یا تعارض نہیں‘ جو شخص بھی دیکھے گا وہ سمجھ لے گا اور اسے کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس قرآن وسنت میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن میں کسی قدر ابہام یا اجمال ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی حدیث سے بظاہر متعارض ہیں۔ ایسے مواقع پر قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کرنا نہایت دقت طلب اور دشوار ہے۔

اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم اپنے ناقص علم‘ کوتاہ فہم اور نام نہاد بصیرت پر اعتماد کر کے اس قسم کے معاملات میں خود کوئی فیصلہ کر لیں اور اس پر عمل کریں‘ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن وسنت کے ان ارشادات سے ہمارے اسلاف نے کیا سمجھا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے جن بزرگوں نے اپنی پوری پوری عمریں صرف کر کے مسائل کا استنباط کیا ان میں سے جنہیں ہم علومِ قرآن وحدیث کا زیادہ ماہر دیکھیں‘ ان کی فہم وبصیرت پر اعتماد کریں اور انہوں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ غائر نظر سے دیکھنے کے بعد اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت ہر ذی ہوش کے نزدیک نہایت خطرناک ہے اور دوسری صورت بہت محتاط۔

اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ علم وفہم‘ دین ودیانت‘ تقویٰ اور پرہیزگاری ہر اعتبار سے ہم اس قدر کمزور ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے فقہاء وعلماء سے ہمارا کوئی مقابلہ نہیں۔ پھر جس مبارک دَور اور مقدس ماحول میں قرآن نازل ہوا تھا قرونِ اولیٰ کے فقہاء وعلماء اس سے بھی قریب تر تھے اور اس قربِ زمانی اور صحابہ وتابعین سے استفادہ کی بنا پر ان کے لیے قرآن وسنت کی مراد کو سمجھنا زیادہ آسان تھا۔ اس کے برخلاف ہم عہدِ رسالت سے اتنی دور ہیں کہ ہمارے لیے اس زمانہ کے طرزِ معاشرت اور طرزِ گفتگو کا‘ جیسا کہ چاہیے‘ تصور بھی مشکل اور دشوار ہے‘ کیونکہ کسی شخص یا کسی دور کی بات سمجھنے کے لیے اس کے پورے پس منظر کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے مختلف التعبیر اور پیچیدہ معاملات میں اسی مطلب کو درست قرار دیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی ممتاز عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں آدمی کی تقلید کی۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن و سنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں اجمال یا ابہام یا کسی تعارض کی وجہ سے کوئی الجھن یا دشواری ہو۔ اور جہاں اس قسم کی کوئی الجھن یا دشواری نہ ہو وہاں کسی امام اور مجتہد کی تقلید ضروری نہیں۔ نیز مذکورہ بالا گزارشات سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ کسی امام و مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ پیروی تو قرآن وسنت کی ہے‘ محض مراد سمجھنے کے لیے بحیثیت شارح قانون ان کی تشریح اور تعبیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ اس عمل میں کون سی بات ایسی ہے جسے گناہ یا شرک کہا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی امام کو شارع کا درجہ دے کر اسے واجب الاتباع قرار دیتا ہو تو بلاشبہ اسے شرک کہا جا سکتا ہے‘ لیکن کسی کو شارح قانون قرار دے کر اپنے مقابلہ میں اس کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرنا تو افلاسِ علم کے اس دور میں اس قدر ناگزیر ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں۔ پس تقلید ائمہ مجتہدین کا اصل مقصد دین کی حفاظت اور قرآن وحدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے۔

اجتہاد اور تقلید کی ضرورت

شریعتِ اسلامیہ میں فروعی اور جزئی مسائل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ مسائل جن کا ثبوت ایسی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے صراحتاً ملتا ہے جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اور ان مسائل پر ان کی دلالت قطعی ہے۔ اس قسم کے مسائل کو منصوصہ غیر متعارضہ کہتے ہیں اور ایسے مسائل میں اجتہاد کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی اور نہ مجتہد اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کرتا ہے‘ کیونکہ مجتہد کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ حکم صراحتاً منصوص نہ ہو۔ جب ان مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہیں تو ان میں کسی مجتہد کی تقلید کی بھی ضرورت نہیں ہے‘ بلکہ ایسے مسائل میں ان احکام پر عمل کیا جائے گا جو آیات واحادیث سے صراحتاً ثابت ہیں۔ دوسرے وہ مسائل جن کا ثبوت صراحتاً کسی آیت یا حدیثِ صحیح سے نہیں‘ یا ثبوت تو ہے مگر اس آیت یا حدیث میں متعدد معانی کا احتمال ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا‘ یا وہ کسی دوسری آیت یا حدیث سے بظاہر متعارض ہے‘ اس قسم کے مسائل کو اجتہاد غیر منصوصہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور ان کا صحیح حکم مجتہد کے اجتہاد سے معلوم ہو سکے گا اور یہی وہ مسائل ہیں جن میں غیر مجتہد کو تقلید کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ اب چونکہ شریعتِ اسلامیہ کے تمام جزئی مسائل منصوص نہیں ہیں کہ ہر کس وناکس ان کا صحیح حکم سمجھ سکے‘ بلکہ بہت سے مسائل اجتہادی ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت ہے‘ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے امت کے مخصوص افراد کو وہ قوتِ اجتہاد عطا فرمائی کہ وہ حضرات قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے ان جزئی مسائل کے احکام مستنبط کریں جن کا صراحتاً ذکر نہیں ہے اور عام لوگوں کے لیے عمل کی راہ آسان کر دیں۔ حضرات صحابہؓ جن کو ہمہ وقت دربارِ نبویؐ میں حاضری کا شرف حاصل تھا ان کو تو اس قوتِ اجتہاد سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہ تھی‘ کیونکہ ان کو دربارِ نبویؐ سے تمام مسائل معلوم ہو جاتے تھے‘ لیکن صحابہ کرام ؓ کی وہ جماعت جو مدینۃ الرسول سے باہر کسی مقام پر قیام پذیر تھی یا وہ لوگ جو بعد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے تھے ان کو اس قوتِ اجتہاد کی شدید

ضرورت تھی، کیونکہ ایسے مسائل اجتہادیہ میں شریعتِ اسلامیہ پر پورے طور پر عمل کرنا بغیر اجتہاد کے غیر ممکن تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے خیر القرون میں بے شمار صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور من بعدہم کو اس دولتِ اجتہادیہ سے نوازا اور خود حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت صاف اور واضح لفظوں میں اجتہاد کی تحسین اور تصویب فرمائی۔

حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو یہ پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے؟ عرض کیا اس وقت اجتہاد و استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس پر (فرطِ مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی اور خوش ہے۔ (ابوداود، ترمذی و دارمی)

غور فرمایئے کہ یہ واقعہ تقلید اور اجتہاد دونوں مسئلوں کے لیے شمعِ ہدایت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اہلِ یمن کے لیے اپنے فقہاء صحابہ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور انہیں حاکم و قاضی، معلم و مجتہد بنا کر اہلِ یمن پر لازم کر دیا کہ وہ ان کی تابعداری کریں، انہیں صرف قرآن و سنت ہی نہیں بلکہ قیاس و اجتہاد کے مطابق بھی فتویٰ صادر کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اہلِ یمن کو ان کی تقلید شخصی کی اجازت دی بلکہ اس کو ان کے لیے لازم فرمایا۔

عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ میں تقلید

برصغیر کی عظیم علمی شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء) نے تقلید کے مسئلہ پر بڑی بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے اور چونکہ حضرات غیر مقلدین تقلید کی مخالفت کرنے میں اکثر و بیشتر (غلط طور پر) ان کا کلام پیش کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں، اس لیے اس موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہی نے اس مسئلہ کی جو وضاحت فرمائی ہے اس کو بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کو نہ صرف پاک و ہند کے تمام مکاتبِ فکر اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں بلکہ عرب و عجم میں بھی وہ ایک بلند مقام حاصل کیے ہوئے ہیں، موصوف کی کتابیں پوری دنیا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ موصوف کی ایک کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) تو ابتداء اسلام سے اب تک تحریر کردہ تمام کتابوں میں ایک امتیازی مقام رکھتی ہے۔ برصغیر کے تمام مکاتب فکر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے اپنا علمی رشتہ جوڑ کر اپنے مکتب فکر کے حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عمومی طور پر برصغیر میں حدیث کی سند موصوف سے ہی ہو کر حضور اکرم ﷺ تک پہنچتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عہد زریں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور اس مسئلہ میں وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تو وہ کسی بھی صاحبِ بصیرت عالم کی طرف رجوع کرتا اور اس سے دریافت کر کے عمل کر لیتا تھا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ سے لے کر چار مذاہب کے ظہور تک یہی دستور اور رواج رہا کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کر لیتے تھے۔ کسی بھی معتبر آدمی نے اس پر نکیر نہیں کی' اگر یہ (تقلید) باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے۔'' (عقد الجید' ص ۲۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک مقلد کا اپنے امام کو تمام ائمہ پر فضیلت دینا تقلید امام کے لیے ضروری نہیں ہے' چنانچہ فرماتے ہیں:

''اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں یہ اعتقاد رکھنا بالاجماع ضروری نہیں کہ میرا امام باقی اور ائمہ پر فضیلت رکھتا ہے' اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل ترین ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ ہیں' اس کے باوجود بہت سے مسائل میں ان دونوں حضرات کی رائے کے خلاف دوسرے صحابہؓ کی تقلید کرتے تھے اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا' لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہے۔'' (عقد الجید' ص ۷۶)

صحابہ کرام اور تابعین کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے قریب تر تھا' اس وجہ سے وہ بہرحال خیر و برکت کا اور خلوص وللّٰہیت کا زمانہ تھا' اس میں تقلید غیر شخصی کے اندر کسی قسم کی بڑی مضرت کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں علمِ فقہ کی تدوین بھی عمل میں نہیں آئی تھی۔ لیکن حضرات تابعین کے بعد کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے بعید ہو چکا تھا' عام طور پر طبیعتیں بھی پہلے سے مختلف ہو گئی تھیں' اس لیے تقلید کی موجودہ وسعتوں کو تقلید شخصی میں محدود کرنا ناگزیر تھا' ورنہ مفاسد کا دروازہ کھل جاتا اور احکامِ شرع بچوں کا کھیل بن کر رہ جاتے۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر ائمہ مجتہدین کے تفقہات کتابی شکل میں مدوّن ہونا شروع ہو گئے۔ جن لوگوں کو تدوین شدہ مذاہب میسر آئے انہوں نے اسی مذہب کی پیروی کر لی اور تقلید شخصی اختیار کی' البتہ جن کو وہ مذاہب میسّر نہ ہو سکے وہ اس زمانہ میں بھی بدرجہ مجبوری تقلید غیر شخصی ہی کرتے رہے حتیٰ کہ ان کو کوئی مدوّن مذہب دستیاب ہو گیا۔ اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں' اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا۔'' (الانصاف' ص ۶)

اشتغال فی الفقہ کی تفصیل کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''الحاصل ان مجتہدین کا صاحبِ مذہب ہونا اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا یہ ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر الہام کیا اور ان کو اس پر مجتمع کر دیا' چاہے اس کو جانیں یا نہ جانیں۔'' (الانصاف' ص ۶۷)

حضرت شاہؒ فرماتے ہیں کہ تقلید شخصی کا رواج گو دوسری صدی ہجری کے بعد ہو گیا تھا' مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تقلید غیر شخصی پر عامل تھے اور اس کو انہوں نے بالکلیہ ترک نہیں کیا تھا' فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل تمام لوگ متعین طور پر کسی مذہب خاص کی پیروی (یعنی تقلید

شخصی) پر متفق نہیں ہوئے تھے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ' ج ا' ص ۱۱۲)

ائمہ اربعہ کی تقلید

جب امام اعظم ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا فقہ کتابی شکل میں مدوّن ہو کر تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گیا اور عام طور پر رائج ہو گیا' تب انہی مذاہب اربعہ میں تقلید کا انحصار ہو گیا اور پھر تقلید شخصی کے سلسلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہ رہا' بلکہ اس کے خلاف کرنے کو سوادِ اعظم سے فرار وانحراف کے مترادف سمجھا جانے لگا جو بڑا گناہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''جب بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب حقہ ختم ہو گئے تب انہیں مذاہب اربعہ کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذاہب سے نکلنا سوادِ اعظم سے نکلنے کے مرادف ٹھیرا۔'' (عقد الجید' ص ۳۸)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کے انحصار اور جوازِ تقلید پر اجماع امت ہے اور یہ قوی ترین دلیل ہے' فرماتے ہیں:

''تمام امت نے یا امت کے قابلِ لحاظ افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے جو آج تک جاری ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ' ج ا' ص ۲۳)

اور فرماتے ہیں:

''اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں' بالخصوص اس زمانہ میں کہ ہمتیں پست ہو گئی ہیں اور نفوس میں خواہشات کا غلبہ اور ہر رائے والا اپنی رائے پر مغرور ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ)

پھر آگے چل کر تقلید شخصی پر لعن طعن کرنے والوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں:

''علامہ ابن حزمؒ نے جو رائے قائم کی ہے کہ ''تقلید حرام ہے اور سوائے حضور اکرم ﷺ کے کسی اور کا قول لینا حلال نہیں' یہ ایک بے دلیل بات ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ)

تقلید کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر بالفرض کوئی شخص کسی ایسے ملک میں قیام پذیر ہو جہاں کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم یا اس کی کتابیں موجود نہ ہوں تو اس کو مروّجہ مذہب حنفیہ کی تقلید کرنا ضروری ہے' اسی میں خیر ہے۔ فرماتے ہیں:

''جب کوئی شخص ہندوستان یا ماوراء النہر میں سکونت پذیر ہو جہاں کوئی شافعی' مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کتابیں ہی میسر آسکتی ہوں تو اس شخص پر واجب ہے کہ وہ صرف امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرے' ان کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لیے حرام ہے' کیونکہ اس سے علیحدگی کی صورت میں وہ شریعت کی رسی اپنی گردن سے اتار پھینکے گا اور پھر یونہی آزاد پھرتا پھرے گا۔'' (الانصاف)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایسے شخص کو قطعاً ناپسند فرماتے تھے جو محدثین اور فقہاء سے کنارہ کش ہو جائے۔ اپنی کتاب ''الانصاف'' میں فرماتے ہیں:

''جو شخص ایسے صوفیاء کرام سے جو عالمِ شریعت بھی ہوں اور ایسے علماء سے جو صوفی ہوں یا محدثین سے جن

کو احادیث نبویہ سے وافر حصہ ملا ہو اور ایسے فقہاء سے جن کو فقہ سے گہرا تعلق ہو، تعلق منقطع کرے وہ شخص ہمارے گروہ سے نہیں ہے۔''

علامہ ابن خلدونؒ (۱۳۳۲ء۔۱۴۰۶ء) مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

''دیار و امصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہوگئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہو گئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیے، اور چونکہ اصطلاحاتِ علمیہ مختلف ہوگئیں اور لوگ مرتبۂ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں کہیں ایسے لوگ نہ کود پڑیں جو نہ تو اس کے اہل ہیں اور نہ ان کا دین اور ان کی رائے قابلِ وثوق ہے، لہٰذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انہوں نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح فرما دی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے، ہدایت اور رہنمائی کرنے لگے۔ اور چونکہ تداول تقلید میں تلاعب ہے، یعنی اس طرح تقلید کرنے میں کہ کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کرنے میں دین کھلونا بن جاتا ہے، اس لیے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پر زور دینے لگے اور صرف نقل مذہب باقی رہ گیا اور بعد تصحیح اصول و اتصال سند بالروایہ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں اور فی زمانہ مدعیٔ اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور اور متروک ہے اور اہل اسلام انہیں ائمہ اربعہ کی تقلید پر مستقیم ہو گئے ہیں۔'' (منقول از او شحۃ الجید، ص ۸۰۹)

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار فضلِ ربانی پر ہے

مسائل اجتہادیہ غیر منصوصہ میں مجتہد سے کسی بھی صورت میں استغنا نہیں ہو سکتا اور ائمہ اربعہ کے ماسوا باقی تمام مذاہب جن میں مذاہب حقہ بھی تھے، چوتھی صدی ہجری تک ختم ہو گئے اور آنے والے لوگوں میں مجتہد بننے کی توقع بھی باقی نہیں رہی تو اب صرف دو ہی صورتیں تھیں، یا تو لوگ اپنے اپنے خیالات کو کافی سمجھ کر اس پر عمل کرتے یا ائمہ اربعہ کی تقلید اختیار کرتے اور اپنے آپ کو اتباع ہویٰ سے محفوظ رکھتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں میں ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کی محبت پیدا کر دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''الانصاف'' میں فرماتے ہیں:

''ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا پابند ہونا ایک رازِ خداوندی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا ہے اور اس پر ان کو مجتمع کر دیا ہے، وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''مجتہدین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کے لیے قبولیت آسمان سے نازل ہو (بایں طور) کہ ان کے علم کی طرف علماء، مفسرین، محدثین اور اربابِ اصول و حفاظ کتب حدیث و فقہ گروہ در گروہ مائل ہو جائیں اور اس مقبولیت اور علماء کی توجہ پر زمانہائے دراز گزر جائیں کہ یہ قبولیت دلوں کی تہ میں بیٹھ جائے۔ سو الحمد للہ یہ علامت ائمہ اربعہ میں پوری طرح پائی جاتی ہے، لہٰذا مذاہب اربعہ عند اللہ مقبول ہیں۔''

تقلید شخصی کا وجوب

اس بے دینی، کم عقلی اور نفس پرستی کے دور میں تقلید شخصی ضروری ہے' اس سے کسی بھی صاحبِ فہم اور سلیم الطبع آدمی کو قطعاً انکار نہیں ہو سکتا۔ تقلید کے وجوب اور اس کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے اولاً وجوب کا معنی سمجھ لینا چاہیے۔ کسی چیز کے واجب ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں' ایک یہ کہ قرآن وحدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی گئی ہو' جیسے نماز وروزہ وغیرہ' اس طرح کے وجوب کو وجوب بالذات کہتے ہیں۔ وجوب کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس امر کی خود تو کہیں صراحتاً تاکید نہیں کی گئی ہے' مگر جن امور کی قرآن وحدیث میں تاکید کی گئی ہے ان پر عمل کرنا اس امر کے بغیر ممکن نہ ہو' اس لیے اس کو بھی ضروری اور واجب کہا جائے گا' کیونکہ یہ ایک مشہور اصول ہے کہ ''واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے'' یعنی جس چیز پر کسی واجب کا دارومدار ہو وہ خود بھی واجب ہوتی ہے' مثلاً قرآن وحدیث کی تدوین اور کتابت۔ شریعت میں کہیں بھی قرآن وحدیث کو یکجا کرنے اور ان کو تحریری شکل میں لانے کا صراحتاً حکم موجود نہیں ہے' لیکن چونکہ قرآن وحدیث کو محفوظ رکھنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا ایک شرعی فریضہ ہے جس کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ بغیر کتابت کے عادتاً ان کی حفاظت ناممکن تھی' اس لیے قرآن وحدیث کے لکھنے کو ضروری اور واجب سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ دلالتاً اس پر امت کا اتفاق چلا آ رہا ہے۔ اس طرح کے وجوب کو 'وجوب بالغیر' کہتے ہیں۔

ائمہ حدیث مقلّد تھے

تقلید سے کوئی زمانہ خالی نہ رہا۔ ابتدائی دور میں لوگ جس عالم کو متدین پاتے اس کی تقلید کر لیتے۔ پھر مذکورہ بالا مصالح کی بنا پر حامیانِ اسلام نے امام متعین کی تقلید مقرر کر دی اور لوگوں کو مطلق العنانی سے باز رکھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ تمام مذاہب اہل سنت ختم ہو گئے اور صرف مذاہب اربعہ باقی رہ گئے' تب جمہور مسلمان انہی کی تقلید پر متفق ہو گئے' حتیٰ کہ اکابر محدثین بھی دائرۂ تقلید سے باہر نہیں رہے۔ تفصیل ذیل سے آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام ائمہ حدیث نے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام مجتہد کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا ہے اور وہ مقلد رہے ہیں' چنانچہ ان میں سے بعض ممتاز محدثین کے بارے میں کچھ تفصیل پیش ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۵۶ھ): محمد بن اسماعیل بخاری' صاحبِ صحیح بخاری' شافعی المذہب ہیں' فقہ شافعی انہوں نے اپنے استاذ حمیدیؒ سے حاصل کیا جو شافعی المذہب ہیں۔ امام بخاریؒ کے شافعی المذہب ہونے کو بکثرت علماء محققین نے بیان کیا ہے' نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''الانصاف'' میں ذکر کیا ہے' فرماتے ہیں کہ: ''امام بخاری بہت سے مسائل میں شافعی المذہب ہیں اور کچھ وہ مسائل ہیں جن میں ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل تھا' ان میں انہوں نے امام شافعیؒ کی مخالفت کی ہے۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۶۱ھ): حافظ الحدیث امام ابوحسین قشیری' صاحبِ صحیح مسلم' شافعی المذہب ہیں' جیسا کہ صاحبِ کشف الظنون اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''الانصاف'' میں اور بہت سے محققین نے ذکر

کیا ہے۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۷۵ھ): سلیمان بن اشعث سجستانی، صاحبِ سنن ابوداؤد، حنبلی المذہب ہیں، اس کو تاریخ ابن خلکانؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''الانصاف'' میں ذکر فرمایا ہے اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''بستان المحدّثین'' میں تحریر فرمایا ہے کہ: ''امام ابوداودؒ کے مذہب کے بارے میں اختلاف ہے، بعض ان کو شافعی کہتے ہیں اور بعض حنبلی، واللہ اعلم۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۶۹ھ): ابوعیسیٰ بن سورۃ الترمذی، صاحبِ جامع الترمذی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''الانصاف'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''یہ حنفی المذہب ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں، اور بعض اہل تحقیق نے ان کو شافعی المذہب کہا ہے۔''

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۵۳ھ) اور امام دارمیؒ (متوفی ۲۵۵ھ): دونوں حضرات حنبلی المذہب ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں، جیسا کہ ''الانصاف'' میں حضرت شاہؒ معبر نے ذکر فرمایا ہے۔

امام عبدالرحمٰن احمد نسائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۰۳ھ): صاحبِ سنن نسائی شافعی المذہب ہیں، جیسا کہ ان کی کتاب ''منسک'' اس پر دلالت کرتی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ''بستان المحدثین'' میں ذکر فرمایا ہے اور ''جامع الاصول'' میں ہے: ''النسائی کان شا فعی المسلک' له منا سك الفها علی مذهب الشافعی۔''

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''شرح سفر السعادت'' میں بھی اس کو بیان کیا ہے۔

لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۷۴ھ): امام بخاری کے استاد اور تبع تابعین میں سے ہیں، حنفی المذہب ہیں۔ علامہ قسطلانی نے ابن خلکان سے نقل کیا ہے اور صاحب 'الجواہر المضیہ' نے اپنی کتاب میں اور علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری شرح بخاری'' میں لکھا ہے: ''کان اللیث اماما کبیرا مجمعاً علی جلا لته وثقته و کر مه و کان علی مذهب الامام ابی حنیفةؒ قاله القا ضی ابن خلقان ولیس فی کتب الستة من اسمه لیث ابن سعد سو اه۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یعقوب بن ابراہیم انصاری (متوفی ۱۸۳ھ): شاگرد امام اعظم ابوحنیفہؒ حنفی المذہب ہیں، تاریخِ ابن خلکان میں ہے کہ ان پر مذہب ابی حنیفہ غالب تھا، ہاں بہت سے مقامات پر ان کی مخالفت بھی کی ہے، یعنی جن مسائل میں ان کو مرتبۂ اجتہاد حاصل تھا صرف ان میں مخالفت کی ہے۔

امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۷ھ): شاگرد امام اعظمؒ و امام ابو یوسف، حنفی المذہب ہیں، انہوں نے فقط ان مسائل میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے جن میں ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل تھا، ان کے حنفی المذہب ہونے کی تصریح صاحبِ کشف الظنون اور ابن خلکان وغیرہ نے پورے طور پر کی ہے۔

اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کبار محدثین ہوئے ہیں ان کے حالات کی تفتیش کی جائے تو وہ بھی ان مذاہب اربعہ سے خالی نہ ملیں گے۔ حافظ زیلعیؒ، علامہ عینیؒ، محقق ابن ہمامؒ، ملّا علی قاریؒ وغیرہم جو علاوہ فقہ کے

علم حدیث میں بھی تبحر رکھتے تھے یہ سب حنفی المذہب تھے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ جیسے محدث مالکی المذہب ہیں۔ علامہ نوویؒ' علامہ بغویؒ' علامہ خطابیؒ' علامہ ذہبیؒ' علامہ عسقلانیؒ' قسطلانیؒ' علامہ سیوطیؒ وغیرہم جن کا فن حدیث میں ڈنکا بجتا تھا شافعی المذہب تھے' اوراسی طرح بہت سے علماء ومحدثین حنبلی المذہب ہوئے ہیں' علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ یہ دونوں حضرات حنبلی تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید اور اس کا پھیلاؤ

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ مختلف قصبات اور شہروں میں گئے اور مختلف مقامات پر متمکّن اور سکونت پذیر ہو گئے۔ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق ''میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں' جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے'' تمام صحابہ اپنے اپنے مقام پر مقتدا اور متبوع قرار پائے۔ اسی طرح تابعین اپنے اپنے علاقوں کے امام بنے اور لوگوں نے ان کی تقلید کی۔ ۸۰ھ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ (نعمان بن ثابت) کوفہ میں اور ۹۵ھ میں حضرت امام مالکؒ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ عراقیوں نے امام ابوحنیفہ ؒ کو اپنا امام تسلیم کیا اور حجازیوں نے امام مالک ؒ کو اپنا مقتدا اور پیشوا قرار دیا۔ ۱۵۰ھ میں بمقام غزہ (فلسطین) امام شافعی ؒ کی ولادت ہوئی' آپ مرتبۂ اجتہاد کو پہنچے اور بہت سے لوگ ان کے مقلد ہو گئے۔ ۱۶۴ھ میں امام احمد بن حنبل ؒ شہر بغداد میں پیدا ہوئے' بہت بڑے محدث اور امام مجتہد ہوئے' بہت سے لوگوں نے ان کی تقلید اختیار کی۔ اگرچہ ان ائمہ اربعہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اور بھی بڑے بڑے مجتہد تھے اور ان کے بھی لوگ مقلد تھے' مگر اللہ کی مرضی سے ان ائمہ اربعہ کے مقلدین روز بروز بڑھتے گئے۔ نیز ان کے مسائل اجتہادیہ کتابوں میں مدون ہو گئے' بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابویوسفؒ' امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے حدیث و فقہ میں بکثرت کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں جن میں امام اعظمؒ کے مسائل فقہیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا' حتیٰ کہ خود امام ہمامؒ نے بھی کتابیں لکھیں جیسا کہ علامہ کوثری نے ''بلوغ الامانی'' کے حاشیہ صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے کہ متقدمین کی مؤلفات میں امام صاحب کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے: کتاب الرأی' ذکرہ ابن العوام' کتاب اختلاف الصحابہ' ذکرہ ابوعاصم العامری مسعود بن شیبہ' کتاب السیر' کتاب الاوسط' کتاب الجامع' ذکرہ العباس ابن مصعب فی تاریخ مرو' الفقہ الاکبر' الفقہ الابسط' کتاب العالم والمتعلّم' کتاب الرد علی القدریہ' رسالۃ امام ابی عثمان البتی فی الارجاء' چند مکاتیب بطور وصایا جو آپ نے اپنے چند احباب کو لکھے اور یہ سب کتابیں مشہور ہیں۔ (منقول از مقدمہ انوار الباری)

درحقیقت ملّتِ اسلامیہ کی مثال ایک درخت طوبیٰ کی سی ہے کہ اس شجر طوبیٰ سے چند شاخیں نکلیں' ان میں سے کوئی تو ایک ہاتھ بڑھ کر رہ گئی' کوئی دو ہاتھ اور کوئی اس سے بھی زیادہ بڑھی' مگر اس کی چار شاخیں اتنی بڑھیں اور پھلی پھولیں کہ سارے عالَم میں پھیل گئیں اور ان میں بھی ایک شاخ کا تو وہ نشوونما ہوا کہ چار دانگ عالَم میں اس نے اپنا سایہ ڈالا اور بلادِ متفرقہ میں اپنا رنگ جما لیا۔ یہ بڑی شاخ مذہبِ حنفیہ کی ہے کہ تیسری صدی ہجری

ہی میں سد سکندری تک' جو کوہ قاف میں ہے' پہنچ گیا۔ چنانچہ ۲۴۸ھ میں جبکہ خلیفہ عباسی واثق باللہ نے کچھ آدمیوں کو سد سکندری کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو حنفی المذہب پایا۔ تقریباً ایک ہزار سال سے اہلِ سُنّت کا ۷۵ فیصد سے زیادہ طبقہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتا چلا آ رہا ہے یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ اور علماء احناف کے ذریعہ بیان کردہ احکام ومسائل پر عمل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

برصغیر میں عدمِ تقلید کا آغاز

برصغیر پاک وہند میں جب سے اسلام نے قدم رکھا تو مسلمانوں کی بھاری اکثریت برابر حنفی المذہب اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مقلد رہی' جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا اور ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی اور حکومتِ برطانیہ کی طرف سے مذہبی معاملات سے کوئی تعرض نہ رہا تب تیرہویں صدی ہجری میں جابجا کچھ ایسے لوگوں نے نشو ونما پایا جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو محض بے اصل سمجھنے لگے' انہوں نے ابن حزمؒ ابن قیمؒ اور قاضی شوکانیؒ کے خیالات سے واقفیت حاصل کی اور اہل ظواہر سے بھی متاثر ہوئے' بات بات میں حنفیوں سے اختلاف کرنے لگے اور مقلدین کو بدعتی ومشرک بلکہ کافر تک کہنے لگے۔

تقلید ائمہ پر کیے جانے والے اعتراضات کی حقیقت

اب ان اعتراضات کو زیر بحث لایا جارہا ہے جو عام طور سے تقلید پر کیے جاتے ہیں۔ منکرینِ تقلید کے اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمانے سے پہلے ایک اصولی بات ذہن نشین کر لیں:

تقلید کی دو قسمیں ہیں: تقلید مشروع اور تقلید غیر مشروع۔ تقلید مشروع ایسے مسائل اجتہادیہ میں ہوتی ہے جن میں شرعاً اجتہاد کو دخل ہے اور جنہیں ایسے ائمہ دین نے قرآن وحدیث سے استنباط کیا ہو جو پوری طرح علمی و فقہی حیثیت سے اجتہاد کے اہل ہوں اور جن کا تقویٰ اور صدق واخلاص بھی شک وشبہ سے بالاتر ہو اور ان کی یہ صفات اجتہاد فی الدین اور استنباط مسائل شرعیہ کی اہلیت امت کے سوادِ اعظم کے نزدیک مسلم ہوں۔ بس تقلید کرنے والے اس طرح کے مسائل میں ائمہ کرام پر غایتِ اعتماد کی بنا پر ان کی تقلید کرتے ہیں اور درحقیقت یہی وہ تقلید ہے جو مستحسن بلکہ واجب ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے' اکابر امت کے عمل سے اور فقہاء محدثین کے اقوال سے ثابت ہے اور روز روشن کی طرح عیاں ہے جیسا کہ اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ تقلید غیر مشروع اس کا نام ہے کہ ایسے مسائل میں کسی کا اتباع کیا جائے جو منصوص ہیں اور جن میں شرعاً اجتہاد کا دخل نہیں یا ان کا استنباط کرنے والا اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا' مثلاً وہ دیندار یا سرے سے مسلمان ہی نہیں یا علم کے اس مرتبہ پر فائز نہیں جو اجتہاد کے لیے ضروری ہے' اس لیے اس طرح کی تقلید غلط بلکہ حرام ہے۔

اس تفصیل پر غور کرنے کے بعد غیر مقلدوں کے تقلید کے مسئلہ پر ہر قسم کے شبہات اور اعتراضات کا اجمالی جواب نکل آتا ہے' بلکہ علماء اہلِ حدیث کے تمام اعتراضات اور شبہات محض ایک مغالطہ اور دھوکہ پر مبنی معلوم ہونے لگتے ہیں' کیونکہ مقلدین کے مقابلہ میں یہ لوگ دعویٰ تو کرتے ہیں 'تقلید مشروع' ممنوع ہونے کا اور دعویٰ

کے ثبوت میں دلائل وہ پیش کرتے ہیں جو 'تقلید غیر مشروع' کے رد میں پیش کیے جانے چاہئیں۔ محض تعداد اور شمار بڑھانے کے لیے دلائل تو بہت ذکر کیے جاتے ہیں' مگر ان کی حقیقت اور وزن کا اعتبار کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ بہت ہی کم ہیں' اس لیے یہاں پر چند اعتراضات ذکر کر کے جوابات تحریر کیے جا رہے ہیں۔

تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض: کہا جاتا ہے کہ سورۃ البقرۃ' آیت ۱۷۰ میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے:

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾﴾

''جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو ان احکام کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں' ہم تو اس طریق کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ (حق تعالیٰ بطور رد فرماتا ہے) کیا ہر حالت میں اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے رہیں گے گو ان کے باپ دادا نہ کچھ دین کو سمجھتے ہوں اور نہ حق کی راہ پاتے ہوں!''

جواب: یہ اعتراض سراسر مغالطہ ہے' کیونکہ جن لوگوں کی تقلید کی جاتی ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں' ایک کفار اور دوسرے ائمہ مجتہدین۔ کفار کی تقلید حرام ہے اور اسی کا رد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ اب رہی ائمہ مجتہدین کی تقلید جو عام طور پر مسلمانوں میں رواج پذیر ہے اس سے کسی بھی آیت یا حدیث میں منع نہیں کیا گیا ہے۔ نیز چاروں ائمہ کی تقلید قرآن وحدیث کی اتباع ہی ہے۔ غور فرمایئے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی تقلید کی مذمت کے دو سبب بیان فرمائے ہیں' ایک یہ کہ وہ لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو برملا رد کرتے ہیں اور انہیں تسلیم نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم اس کے بجائے اپنے باپ دادا کی بات مانیں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہ بزرگ عقل و ہدایت سے بالکل کورے تھے —— اور ہم جس تقلید کی بات کر رہے ہیں اس میں یہ دونوں سبب نہیں پائے جاتے۔ پہلا سبب تو اس طرح نہیں پایا جاتا کہ کوئی بھی تقلید کرنے والا' نعوذ باللہ' اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو رد کر کے کسی امام کی بات کو ہرگز نہیں مانتا' بلکہ وہ اپنے امام کو قرآن وحدیث کی وضاحت وشرح کرنے والا سمجھتا ہے۔ دوسرا سبب بھی ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے' کیونکہ اس سے کوئی اہل حق انکار نہیں کر سکتا کہ مقلدین جن ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں ان سے کسی کو کتنا ہی اختلافِ رائے کیوں نہ ہو مگر تمام مخالفین کے نزدیک بھی وہ حضرات ہر اعتبار سے جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیتیں ہیں' لہٰذا ائمہ کی تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا سراسر ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔

دوسرا اعتراض: کہا جاتا ہے کہ سورۃ التوبہ' آیت ۳۱ میں تقلید کو شرک کہا گیا ہے:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾

''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنا پروردگار بنالیا''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی پیشوا کے اوامر ونواہی کی اتباع کرنا شرک ہے' لہٰذا ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک ہوئی

اور تقلید کرنے والے مشرک ہوئے۔

جواب: یہود و نصاریٰ کے رہبان و احبار محض اپنی رائے سے احکامِ الٰہی کے خلاف لوگوں کو امر و نہی کیا کرتے تھے، یعنی وہ جس چیز کو چاہتے ضروری قرار دیتے اور جس کو چاہتے منع کر دیتے تھے۔ اور لوگ ان کو مطاع مطلق جان کر ان کی پیروی کرتے تھے، اس لیے اس کو شرک کہا گیا ہے۔ لیکن ائمہ مجتہدین اپنی جانب سے کوئی امر و نہی نہیں کرتے ہیں اور نہ ان کو یہ حق حاصل ہے، بلکہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ اس لیے ائمہ کی تقلید کو کافروں کی تقلید سے کوئی نسبت نہیں اور ائمہ کی تقلید کی مخالفت اس آیتِ کریمہ سے ہرگز نہیں نکلتی۔

تیسرا اعتراض: حضرت امام مالکؒ ''موطا'' میں مرسلاً روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان پر عمل کرو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی سنت۔ اس حدیث میں کتاب اللہ اور حدیث کو قابل عمل اور گمراہی سے بچنے کا ذریعہ قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ ان دونوں کے ماسوا امام کے مسائل اجتہادیہ میں اس کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب: ائمہ مجتہدین قرآن و حدیث کی روشنی میں ہی مسائل کا استنباط اور استخراج کرتے ہیں، وہ تورات یا زبور یا انجیل یا رامائن یا گیتا سے مسائل اخذ نہیں کرتے ہیں، لہٰذا ان کے بتائے ہوئے مسائل کو قبول کرنا عین قرآن و حدیث کی اتباع ہے۔

چوتھا اعتراض: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک روز تورات کا ایک نسخہ لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تورات کا نسخہ ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا، آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ناراضگی کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے (اس حدیث کے اخیر میں ہے) کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تمہارے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھے راستہ سے بہک جاؤ گے''۔ (سنن الدارمی) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کا طریقہ چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کی تقلید اور تابعداری جائز نہیں تو کسی امام یا مجتہد کی تقلید کس طرح جائز اور درست ہو سکتی ہے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت مستقلہ کے پیغمبر ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی شریعت حضرت موسیٰ کی شریعت کے لیے ناسخ ہے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی جاتی تو شریعت منسوخہ کی اتباع کرنا ہوتی جو شریعتِ محمدیہ کے انکار کو مستلزم ہے اور صریح کفر ہے، جبکہ ائمہ مجتہدین کی تقلید میں قرآن و حدیث کی اتباع ہی ہے، اس لیے کہ یہ حضرات حضور اکرم ﷺ کے اُمتی ہیں، آپ کے فرمانبردار ہیں، قرآن و حدیث پر عمل

کرنے والے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی تابعداری ہی کی غرض سے مسائل اجتہادیہ کا استنباط کرتے ہیں۔

پانچواں اعتراض: صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانہ میں تقلید کا وجود نہ تھا' لہٰذا یہ تقلید بدعت ہوئی۔ نیز صحابہ کرامؓ افضل امت ہیں اور ائمہ اربعہ مفضول ہیں' اگر تقلید جائز ہوتی تو بجائے ائمہ اربعہ کے صحابہ کرام کی تقلید رائج ہوتی۔

جواب: تعامل صحابہ وتابعین اور خیر القرون کے زمانہ میں تقلید کا پایا جانا اور اس کا رواج ثابت کیا جا چکا ہے' لہٰذا یہ کہنا کہ عہد صحابہ وتابعین میں تقلید نہ تھی سراسر غلط ہے۔ اب رہا ہمارا یہ دعویٰ کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز ہے' سو اس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارت پیش کی جا چکی ہے:

> ''پہلی بات اس طرح رد کی گئی ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں بالاجماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے کہ (میرا) امام باقی تمام ائمہ پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے' اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں اور پھر حضرت عمرؓ حالانکہ بہت سے مسائل اختلافیہ میں ان دونوں حضرات کے مخالف دوسرے حضرات کی تقلید کیا کرتے تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا' لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا۔'' (عقد الجید' ص ۲۷)

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تقلید اس لیے ہرگز ترک نہیں کی گئی کہ وہ افضل امت نہ تھے' بلکہ ان کی تقلید اس لیے ترک کی گئی ہے کہ ان کے جملہ مسائل مجتہد فیہا مدوّن نہیں تھے' بخلاف ائمہ اربعہ کے' ان کے تمام مسائل مدوّن ہیں اور بآسانی میسر آسکتے ہیں اور ان پر عمل کرنا آسان ہے۔ حدیث کی مشہور ومعروف کتابیں صحابہ کرام نے تحریر نہیں کی ہیں' بلکہ ائمہ اربعہ کے بعد محدثین نے تحریر کی ہیں' جن کو پوری اُمت مسلمہ نے قبول کیا ہے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ کی قرآن وحدیث فہمی کو اُمت مسلمہ نے تسلیم کیا ہے۔

چھٹا اعتراض: ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے' پھر ان کی تقلید کس طرح جائز ہوگی؟ اور اسی طرح دوسرے فقہاء لوگوں کو اس سے روکتے تھے۔

اس شبہہ کے دو جواب دیے جاسکتے ہیں:

جواب اول: یہ کہنا کہ ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے' صحیح نہیں ہے' کیونکہ ائمہ کرام لوگوں کو جو فتویٰ دیا کرتے تھے ان کے فتووں میں دلائل تفصیل سے مذکور نہیں ہوتے تھے' اس سے صاف ظاہر ہے کہ عملی طور پر تقلید کو جائز رکھتے تھے۔ اسی طرح فقہاء کرام سے بھی عملی طور پر تقلید ثابت ہے۔ اگر امام مجتہد کسی شخص کے سوال کا جواب دیتا ہے تو امام مجتہد کا مقصد واضح ہے کہ اس نے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ جواب دیا ہے' لہٰذا اس پر عمل کرو۔

جواب ثانی: بعض ائمہ مجتہدین نے جہاں پر تقلید سے منع کیا ہے وہ ان لوگوں کو منع کیا ہے جو خود درجۂ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں:

> ''تقلید کی ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو پورے طور پر مجتہد ہو' ورنہ علماء کرام تصریح کرتے ہیں کہ

غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے' تاکہ وہ اپنے دین میں گمراہ نہ ہو اور فقہاء کرام نے بھی تقلید مذموم اور غیر مشروع سے منع کیا ہے نہ کہ تقلید محمود و مشروع سے۔'' (میزان الکبریٰ' مطبوعہ مصر' ج ا' ص ۸۰)

صاحب الیواقیت والجواہر فرماتے ہیں:

''تقلید کی ممانعت مجتہد کے لیے ہے' ورنہ غیر مجتہد پر ایک امام کی تقلید واجب ہے' ورنہ وہ برباد و گمراہ ہو جائے گا۔'' (الیواقیت' ج ۲' ص ۶۹)

ساتواں اعتراض: بعض حضرات تقلید کی ضرورت کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث آسان ہے' اس لیے ان سے احکام کے سمجھنے میں کسی کے واسطہ کی مطلق ضرورت نہیں' چنانچہ قرآن (سورۃ القمر: ۲۲) میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے' تو کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے۔''

جواب: اس آیت کے الفاظ پر غور فرمائیے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کی وہ آیات آسان ہیں جو وعظ و تذکیر اور نصیحت و عبرت کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ یہی وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''لِلذِّکْر'' کا لفظ استعمال کیا ہے' یعنی قرآن نصیحت کے لیے آسان کیا گیا ہے۔ رہیں وہ آیات جو احکام پر مشتمل ہیں سو ان کا دقیق ہونا بالکل ظاہر ہے' چنانچہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے' ان میں سے ہر ایک آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور ہر حد کے لیے اطلاع کا طریقہ جداگانہ ہے'' (یعنی ظاہری کے لیے عربی زبان اور باطنی کے لیے قوتِ فہم)۔ (صحیح ابن حبان' طبرانی) صرف قرآن کریم کا اردو ترجمہ پڑھ کر انسان علومِ قرآن وسنت کا ماہر نہیں بن جاتا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء وعلماء ومحدّثین ومفسّرین کے بیان کردہ احکام ومسائل کو غلط قرار دینے لگے' جیسا کہ ان دنوں بعض حضرات کر رہے ہیں۔

آٹھواں اعتراض: بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ مقلدین جہاں کہیں اپنے امام کے قول کو حدیث کے خلاف بھی پاتے ہیں وہاں بھی وہ حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو نہیں چھوڑتے' حالانکہ خود ان کے امام ابوحنیفہ کا قول ہے: ''اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ'' یعنی جہاں کہیں میرے قول کو خبر رسول کے خلاف پاؤ اس کو چھوڑ دو۔

جواب: کسی بھی مسئلہ میں امام کا قول موجود ہو یا نہ ہو' حکم نبوی کے خلاف کرنا ایک مسلمان سے قطعاً بعید ہے۔ جو شخص رسول ﷺ کو برحق جانتا ہو کیا وہ ایسا کر سکتا ہے اور اس قسم کی جرأت اس سے ممکن ہے کہ زید وعمرو کے ایسے قول پر جس کو فرمانِ نبویؐ کے خلاف جانتا ہو عمل کرے اور اس کے مقابلہ میں قولِ معصوم کو چھوڑ دے؟ مسلمانوں پر تو لازم وضروری ہے کہ آپ ﷺ ہی کا حکم مانیں اور اسی پر عامل ہوں اور آپ ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کی بھی بات نہ مانیں۔ رہی یہ بات کہ مقلدین ایسا ویسا کرتے ہیں' سو یہ غیر مقلدین کا بہتانِ عظیم ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ فرمان انتہائی وسعت نظری اور اللہ کے خوف کی علامت ہے اور ان کے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے

کہ میں ہمیشہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی احکام ومسائل بیان کرتا ہوں' لیکن خدانخواستہ اگر کوئی میرا فیصلہ قرآن وحدیث کے خلاف نظر آئے تو اسے چھوڑ کر قرآن وحدیث پر عمل کرنا۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جو کچھ اِس دور کے عالمِ دین نے سمجھا ہے وہ تو سب کا سب صحیح ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے جو بھی سمجھا ہے وہ سب کا سب غلط ہے۔ علماءِ احناف اور غیر مقلدین حضرات کے درمیان تمام مختلف فیہ مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ میں بھی غیر مقلدین حضرات نے اپنی رائے کو غلط اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو صحیح نہیں قرار دیا ہے۔ غرضیکہ ان حضرات کا امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ غلط اور ہم صحیح ہیں' جو کسی بھی حال میں قابل قبول نہیں ہے۔ یعنی عصرِ حاضر کے غیر مقلد عالم کو اپنی قرآن وحدیث فہمی پر اتنا یقین ہے کہ وہ اس طرح کی عبارت اپنے لیے استعمال نہیں کرتا بلکہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے مشہور فقیہ ومحدث کے رائے کو باطل قرار دینے اور عوام الناس میں امام ابوحنیفہؒ سے نفرت پیدا کرنے کے لیے ان کی اس عبارت کو ذکر کرتا ہے۔ اکیسویں صدی کے عالم کی رائے کو حق اور ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے امام ابوحنیفہؒ اور علماء احناف کی قرآن وحدیث پر مبنی رائے کو باطل قرار دینا امت مسلمہ میں فتنہ برپا کرنے کے مترادف ہے اور قرآن کے اعلان کے مطابق فتنہ پروری کسی کو ناحق قتل کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ فقہ سے نفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقہ لوگوں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتے ہیں' ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ ائمہ مجتہدین قرآن وحدیث پر ہی عمل کرتے ہیں اور قرآن وحدیث سے ہی مسائل جزئیہ کا استنباط کرتے ہیں۔ مثلاً رمضان کے روزے کی حالت میں قصداً صحبت کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے جس کی وضاحت احادیث نبویہ میں مذکور ہے' لیکن اگر کوئی شخص قصداً بغیر کسی عذر کے رمضان کے روزے کی حالت میں کچھ کھا پی کر روزہ توڑ دے تو اس کا حکم قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے' لیکن علماء امت نے صحبت پر قیاس کر کے قصداً کچھ کھا پی کر روزہ توڑنے والے پر بھی کفارہ واجب ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اسی کا نام فقہ ہے۔ غرضیکہ قرآن وحدیث کا سمجھنا فقہ کہلاتا ہے۔ فقہ کو سمجھنے سے قبل امام ابوحنیفہؒ کے ایک اہم اصول وضابطہ کو ذہن میں رکھیں کہ میں پہلے کتاب اللہ اور سنت نبوی کو اختیار کرتا ہوں' جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں نہیں ملتا تو صحابۂ کرام کے اقوال وعمل کو اختیار کرتا ہوں۔ اس کے بعد دوسروں کے فتاویٰ کے ساتھ اپنے اجتہاد وقیاس پر توجہ دیتا ہوں۔ جب مسئلہ قیاس واجتہاد پر آجاتا ہے تو پھر میں اپنے اجتہاد کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا خود بنایا ہوا اصول نہیں ہے بلکہ اس مشہور حدیث کی اتباع ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی۔ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے کہ اگر مجھے کسی مسئلہ میں کوئی حدیث مل جائے خواہ اس کی سند میں کوئی ضعف بھی ہو تو میں اپنے اجتہاد وقیاس کو ترک

کر کے اس کو قبول کرتا ہوں۔ قرآن وحدیث میں متعدد جگہ فقہ کا ذکر بھی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ مشہور کتب حدیث (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی، مسند ابن حبان، مسند احمد وغیرہ) کی تالیف سے قبل ہی امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں نے فقہ حنفی کو کتابوں میں مرتب کر دیا تھا۔ اگر واقعی فقہ قابلِ رد ہے تو مذکورہ کتب حدیث کے مصنفوں نے اپنی کتابوں میں فقہ کی تردید میں کوئی باب کیوں نہیں بنایا؟ یا کوئی دوسری مستقل کتاب فقہ کی تردید میں کیوں تصنیف نہیں کی؟ غرضیکہ یہ ان حضرات کی ہٹ دھرمی ہے ورنہ قرآن وحدیث کو سمجھ کر مسائل کا استنباط کرنا ہی فقہ کہلاتا ہے، جسے جمہور محدّثین ومفسّرین وعلماء امت نے تسلیم کیا ہے۔ فقہ حنفی کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ سابقہ حکومتوں (خاص طور پر عباسیہ وعثمانیہ حکومت) کا ۸۰ فیصد قانون عدالت وفوجداری فقہ حنفی رہا ہے۔ یہ قوانین قرآن وحدیث کی روشنی میں بنائے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امت مسلمہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے ائمہ اربعہ کی تقلید کے مسئلہ پر متفق چلی آرہی ہے اور چاروں ائمہ کی تقلید قرآن وحدیث کی اتباع ہی ہے۔ فروعی مسائل میں امت مسلمہ کے اختلافات کو حق وباطل کی جنگ کی طرح لوگوں کے سامنے پیش نہ کیا جائے، بلکہ چاروں ائمہ کی قرآن وحدیث پر مبنی رائے کا مکمل احترام کیا جائے۔ امامِ حرم شیخ عبد الرحمٰن السدیس نے برصغیر کی اہم علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے سفر کے دوران فرمایا تھا کہ ان فروعی مسائل میں اختلاف کا حل نہ آج تک ہوا ہے اور نہ بظاہر ہوگا۔ سعودی عرب کے سابق بادشاہ شاہ عبد اللہؒ نے نہ صرف امتِ مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کو جوڑنے کے لیے خصوصی ہدایات جاری فرمائیں بلکہ اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان بھی اختلافات کم کرنے پر زور دیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے لاکھوں ریال خرچ کر کے متعدد کانفرنسوں کا انعقاد کرایا۔ لہٰذا ہم اپنی صلاحیتیں فروعی مسائل میں اُمت مسلمہ کو تقسیم کرنے میں نہیں بلکہ امت کے درمیان اتحاد واتفاق پیدا کرنے میں لگائیں، جو وقت کی اہم ضرورت ہے ورنہ اسلام مخالف طاقتیں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گی۔ اُمتِ مسلمہ کے تقریباً ۹۵ فیصد کو ائمہ اربعہ کی رائے پر عمل کرنے دیں، جیسا کہ عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے، کیونکہ ائمہ اربعہ کی تقلید کرنا قرآن وحدیث کی اتباع ہی ہے، جیسا کہ دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ ❁❁❁

قرآنی ڈکشنری شائع ہو گئی ہے

اس میں صرف وہ سہ حرفی اور رباعی مادّے دیے گئے ہیں جن سے کوئی لفظ قرآن میں آیا ہے، اور الفاظ کے صرف وہ معانی دیے گئے ہیں جن میں وہ الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ معانی کی وضاحت کے لیے متعلقہ آیت یا اس کا جز وساتھ دیا گیا ہے۔ ڈکشنری کے شروع میں ''افعال غیر صحیح کے قواعد'' کے تحت تعلیلات کے قواعد عام فہم انداز میں بیان کیے گئے ہیں، پھر تعلیلات والے الفاظ کی قرآن کے مطابق اصلی شکل اور تبدیل شدہ استعمالی شکل، دونوں دی گئی ہیں۔

یہ ڈکشنری مکتبہ خدام القرآن پر دستیاب ہے اور اسے ''بسم ربی ڈاٹ کام'' پر بھی آسان اسباق میں اپ لوڈ کر دیا گیا ہے۔

البلاغ فاؤنڈیشن لاہور فون: 0333-4620717 اور 0321-4090779

ای میل: ALBALAGH.43@gmail.com ویب سائٹ: BISMERABBEE.com